علمی و تحقیقی مجلہ "محاکمہ" یونیورسٹی آف سیالکوٹ

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

محمد سلیم سرور، پی ایچ ڈی ریسرچ سکالر اردو، نمل، اسلام آباد، chandbhatti187@gmail.com

ڈاکٹر ثمینہ صدیقی، اسٹنٹ پروفیسر شعبہ اردو، نمل، اسلام آباد

خواتین ناول نگاروں کے ہاں تانیثیت کا ارتقا اور مسائل

Evolution and problems of humanism in women novelists

ABSTRACT

Novels by women novelists are the original images where women are shown in their true form.Uneducated, emotionless and full of service, a statue in the form of a robot wearing make-up walled in on the wall. It has been hung to make the room look beautiful. Ismat Chaghatai's Shaman is the character who rebelled against the patriarchal society and registered her name as the first member of the women's movement. Qaratul Ain Haider describing the male psyche through Champa. The position of women has been highlighted and the influence of women on men's minds has been described.Jameela Hashmi has portrayed Kanwal Kumari as a character who is able to please and remove the fear of men from her heart, who not only removes fear from her life, but also appears to reform many other weak-hearted women. Kanwal Kumari became the character of the women's movement who later appeared in real life in the form of Kishwer Naheed, Fahmida Riaz and many other such characters. Razia Faseeh Ahmed is the favorite novelist of the new generation. Both sides of a conscious woman have also been presented. While Saba loves Asad immensely, she also keeps a close eye on Asad's external relations.

Keywords:Feminisim,women,education, disadvantages of women, Patriarchal society

تحدید: محقق نے اپنے اس مقالے میں بیسویں صدی کی منتخب خواتین ناول نگار کے حوالے سے نسائی شعور کے نہاں اور اہم پہلوؤں کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے۔(ٹیڑھی لکیر: عصمت چغتائی، آگ کا دریا: قرۃ العین حیدر، تلاش بہاراں: جمیلہ ہاشمی اور آبلہ پا: رضیہ فصیح احمد)۔

تانیثیت لفظ کے معانی و مفاہیم پر غور کیا جائے تو بات عورت سے شروع ہو کر عورت پر ہی ختم ہوتی ہے۔ تانیثیت میں کبھی عورت کے ذاتی شعور کی بات کی جاتی ہے، کبھی عورت کے حقوق کی بات کی جاتی ہے اور پھر کبھی ان حقوق کے حصول کے لیے مجتمع خواتین کے ایک ایسے گروہ کی بات کی جاتی ہے جو عورتوں کے حقوق کے لیے سرگرداں نظر آتا ہے۔انگریزی زبان میں

تانیثیت کے لیےFeminismکا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔ مولوی فیروزالدین اپنے لغت "فیروزاللغات" میں لفظ تانیثیت کے معنی لکھتے ہیں:

"تانیث(تا۔نی۔ ث)[ع امث](۱) تذکیر کا نقیض(۲) مونث ہونا، مونث کی علامت لگانا۔"۱۔ مولوی صاحب کے بتائے گئے اس لفظی معنی کو تعریف کی طرف لے کر جاتے ہیں۔ تانیثیت 'ایک ایسی تحریک ہے جس عورتوں کی قلیل تعداد کثیر تعداد کے حقوق کے لیے آواز بلند کرتی ہے۔ میر یلین فرنچ نے اپنے مضمون "عورت کے خلاف جنگ ہر محاذ پر" میں فیمینزم کی تعریف ان الفاظ میں کی ہے۔ "زنانہ پس منظر میں خواتین کے اتحاد کے ذریعے کسی بھی گروپ کی عورتوں کے حالات بہتر بنانے کا نام تحریک نسواں یا فیمینزم ہے۔"۲۔ تانیثیت اُن رویوں کے خلاف احتجاج ہے جو عورتوں کے حقوق کے معاملے میں بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ لفظی معنی اور تعریف میں ایک بات مشترک ہے کہ اس تحریک میں عورت موضوع بحث رہتی ہے۔ کسی بھی معاشرے میں عورت کا مقام کیا ہے اور کن مقامات پر اور کن موضوعات کے تحت عورت کا استحصال ہو رہا ہے اور کن وجوہات کی بنا پر یہ استحصال ہو رہا ہے، ان سب باتوں کا جائزہ تانیثیت کے تحت لیا جاتا ہے۔ سکریتا پال تانیثیت کی تعریف یوں کرتے ہیں:

> "ایک ایسا تنقیدی اور نظریاتی عمل جو مردانہ پدری نظام اور جنسی امتیاز کے خلاف ہے اور جو ادب میں محض عورت یا مرد کی جنس کے حوالے کو ہی اہمیت نہیں دیتا بلکہ اس کے مخصوص جذبات اور تجربات سے بھی بحث کرتا ہے"۳

ادب زندگی ہے اور زندگی بھی صحیح معنوں میں ادب ہی کے ذریعے نمو پاتی ہے۔ انسانی زندگی کی نمو میں مرد اور عورت دو پہیوں کی طرح برابر چلتے ہیں کیونکہ اگر ان دونوں میں سے ایک متضاد سمت میں کھینچنا شروع کر دے تو یہ زندگی بھی کہیں کھائی میں جا گرتی ہے۔ دونوں کا کردار مختلف اور کم و بیش ہو سکتا ہے مگر کسی ایک کو خارج از حرکت نہیں کیا جا سکتا سو ہم دونوں کو لازم و ملزوم اور زندگی کی سانسوں کے لیے ضروری قرار دینے کے لیے پابند ہیں۔ زندگی کی کوئی بھی سطح ہو عورت کی اہمیت سے انکار یا فرار ممکن نہیں مگر صد افسوس کہ شعور سے عاری معاشروں میں عورت کو ابھی تک نہ تو وہ اہمیت دی گئی اور نہ ہی اس کے کسی کام کو مرد کی برابری پر سراہا گیا۔ ترقی پذیر ممالک کا ایک یہ بھی المیہ ہے کہ عورت کو جہاں آزادیٔ اظہار نہیں دیا گیا وہیں اس کی بات کو دبانے کی بھی بھرپور کوشش کی گئی ہے حالانکہ یہ سب جانتے ہیں دنیا کی آبادی کا نصف حصہ رکھنے والی یہ صنف صرف گوشت پوست کا مجسمہ ہی نہیں یا دل بہلانے کی گھڑیا ہی نہیں بلکہ ایک جیتا جاگتا انسان بھی ہے جس کے سینے میں دل اور سر میں دماغ بھی موجود ہے۔ ممکن

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ہے اس صنف کے دل و دماغ کی قوتِ محسوس اور قوتِ برداشت اپنے مدِ مقابل صنف کے برابر نہ ہو مگر ہے تو ضرور۔ عورت کی قدر و قیمت کے حوالے سے سیما صغیر اپنی کتاب "تانیثیت اور اردو ادب روایت، مسائل اور امکانات" میں لکھتی ہیں:

"دنیا کی نصف آبادی کی نمائندہ، عورت کی اہمیت وافادیت کو نظر انداز کرنا آج کے دور میں اور بھی مشکل ہے۔ دنیا کی تمام تر ترقیات میں کاندھے سے کاندھا ملا کر شریک رہنے والی صنف نازک کی معاشرہ سازی اور دنیا کی ترقی میں براہ راست سے زیادہ بالواسطہ خدمات ہیں جن سے چشم پوشی اختیار کرنا صارفیت کے اس دور میں تقریباً ناممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا ہے تو یہ عمل نصف آبادی کے ساتھ مہذب زمانے کی شدید ظلم وزیادتی کے مترادف ہوگا"[۴]

محولہ بالا اقتباس میں اہمیت وافادیت سے انکار ممکن نہیں، کی بات کی گئی ہے حالانکہ میں سمجھتا ہوں کہ شعوری طور پسماندہ ممالک میں تو ابھی تک عورت کو اس کے اصل مقام کے ساتھ تسلیم ہی نہیں کیا گیا، ضرورت اس امر کی ہے کہ عورت کے حقیقی مقام کو تسلیم کر کے اس کی کاوش کو سراہا جائے اور اسے آزادیء اظہار اور تحفظ کاملہ عطا کیا جائے تاکہ وہ بھی خود کو اس معاشرے کا ایک جیتا جاگتا انسان سمجھ کر اپنا کردار ادا کر سکے۔ پدرسری معاشرے نے عورت کو اس کا حق دینے کے کی بجائے اس کی آواز کو دبانے اور چھپانے کے لیے زندگی کی حقیقی اور فرضی کہانیوں میں اس کے کردار کو پھونک بھرا کھلونا بنا کر پیش کیا ہے، اسی لیے ورجینیا وولف نے کہا تھا عورت نے اپنے حق کے لیے ویسا لکھا جیسا اسے لکھنا چاہیے تھا۔

عورت ذات کو گھر کی چار دیواری کے اندر رکھا گیا تو ایک رکھیل کے طور پر اور اگر باہر نکالا تو پھر بھی بدنام زمانہ بنا دیا گیا۔ عورت کے حصے میں جو محرومیاں یا مجبوریاں آرہی تھیں ان میں سے سر فہرست اعلیٰ تعلیم سے محرومی اور اور ایک خاندان کی محکومی اور اس بے بس عورت کے بہو کے روپ میں تو ابتدائی چند سال کسی شدید جرم کا ارتکاب کرنے والے قیدی کی طرح کٹتے تھے مگر جونہی بچے بڑے ہو جاتے تو وہ ایک بے بس ماں بن جاتی۔ عورت جب اس ماحول سے تنگ آ کر سماج کے خود ساختہ رسم ورواج اور پابندیوں کے خلاف بغاوت کرتی اور گھر سے باہر قدم رکھتی تو گھر سے باہر بھی مرد کی ذات ہی غالب تھی وہ بھی عورت کو زر خرید غلام کی صورت میں ہی دیکھنا پسند کرتا۔ اس صورت میں یہی عورت گھر سے باہر کبھی کسی کمپنی کے اشتہار میں نیم برہنہ نظر آتی ہے تو کبھی ایک طوائفہ کا لقب پاتی نظر آتی ہے تو کہیں رنڈی، ڈانسر اور کال گرل کے طور پر جانی جاتی۔ اسی عورت کو جب سماج میں ایک گالی کے طور پر جانا گیا اور بجا مقام دینے سے انکار کیا گیا تو پھر عورت نے اپنی آواز بلند کی اور ادب نے عورت کی آواز کو معاشرے کے ہر کونے کھدرے تک پہنچانے کے لیے اہم کردار ادا کیا۔

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

اردو ناول کی بات کی جائے تو تاریخ نے یہ سہرا ڈپٹی نذیر احمد کے سر باندھا ہے۔ ڈپٹی نذیر احمد کا کام اس لحاظ سے اہم ہے کہ انھوں نے داستان میں عورت کے تخیلی کردار کو ناول میں لا کر حقیقت کا جامہ پہنا دیا مگر ان کے ہاں جو کمی نظر آتی ہے وہ یہ ہے کہ انھوں نے عورت کی تعلیم کو تربیت سے جوڑ کر خانگی فرائض کا رخ زیادہ واضح کر کے دکھایا ہے مگر عورت کو ایک جیتا جاگتا اور مجسم انسان جو معاشرے میں فرائض ادا کرنے کے معاملے میں تو ازل سے سرگرداں ہے مگر اپنے حقوق کے لیے ہر دور میں سائل، مظلوم اور متقاضی نظر آتا ہے کو دکھانے کی زیادہ ضرورت تھی جس میں وہ قدرے کاہل نظر آتے ہیں۔ اردو ناول کی ابتدا اور عورت ذات کو پری پیکر سے نکال کر گوشت پوست کا انسان دکھانے کے حوالے سے ڈاکٹر عقیلہ جاوید اپنی کتاب "اردو ناول میں تانیثیت" میں لکھتی ہیں:

> "یہاں تک کہ ۱۸۵۷ء کے قریب قریب داستانوں کا زمانہ اختتام پذیر ہوا اور تخیل کی جگہ حقائق نے لے لی۔ سائنسی اور صنعتی دور میں داستانوں کو قصہ پارینہ بنا کر ناول یعنی جدید قصے کو آبیاری بخشی۔ شہزادی کی جگہ نذیر احمد کی اصغری اور کبری نے لے لی۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ شاعری کی طرح ناول بھی دلی اور لکھنو سے متعلق رہا"۵

انگریز کی برصغیر آمد سے اس خطے کی عوام میں تعلیم کا شعور بیدار ہوا۔ انگریز نے کس قسم کی تعلیم کا رواج ڈالا اور کس قسم کا نصاب تشکیل دیا اور اس تعلیمی پالیسی کے پیچھے انگریز کے مقاصد کیا تھے یہ ہمارا موضوع نہیں مگر انگریز کی آمد اور مشرق میں تعلیم کا رواج کی ایک ذیلی شاخ "عورتوں میں تعلیم کا شعور" ہمارا موضوع ہے۔ سر لارڈ ڈلہوزی نے برصغیر میں عورتوں کی تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ اس کوشش کی وجہ سے عورتوں کی تعلیم کا تصور ایک تہذیب سے نکل کر دوسری تہذیب کی تعلیم تک جا پہنچا مطلب عورتوں نے مشرقی تصورات کے ساتھ ساتھ مغربی تصورات کے بارے میں بھی شدبدھ حاصل کر لی۔ تعلیم کے لفظی معنی ہی شعور و آگہی کے ہوتے ہیں سو مشرق کی خواتین نے ایسی خود آگہی حاصل کی کہ حقوق و فرائض کے معاملے میں بھی خاصا شعور حاصل کر لیا۔ اسی شعور نے عورتوں میں اعلیٰ تعلیم کے جذبات پیدا کیے، سماجی مقام و مرتبے میں مردوں کی برابری کا تصور بخشا، مالی طور پر خود کفیل اور مضبوط گھرانے کی بنیاد کے کلیے عطا کیے اور مرد کی ظلم و زیادتی کے خلاف آواز بلند کرنے کا حوصلہ عطا کیا۔

خواتین ناول نگاروں کی بات کی جائے تو انھوں نے بھی ابتدائی دور میں تو ڈپٹی نذیر احمد اور علامہ راشد الخیری کی تقلید میں اصلاحی ناول لکھے، اس کی پہلی مثال رشیدۃ النساء کا ناول "اصلاح النساء"، اس کے بعد اکبری بیگم نے والدہ افضل علی کے نام سے اپنا ناول "گوڈر کا لال" لکھ کر شائع کروایا۔ اس ناول میں عورت کے سماجی مقام کے اتار چڑھاؤ کو بیان کیا گیا ہے۔ عباسی بیگم کا

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ناول "زہرا بیگم" جس میں انھوں نے بے جوڑ شادی کو موضوع بنا کر اس کے کربناک انجام کو بھی دکھایا ہے۔ حجاب امتیاز علی تاج نے اپنے ناول "ظالم محبت" میں زہرا بیگم سے ملتے جلتے قصے کو بیان کیا ہے جس میں بچپن کی منگنی، ناپسند اور چھوٹی عمر کی شادیوں کو بیان کیا ہے۔ فسانہ خورشیدی، حجاب النساء اور نذر سجاد ظہیر کے ناول "کنیز" میں بھی عورتوں کو جدید تعلیم اور پیشوں کی رغبت دی گئی ہے۔ یہ تو ابتدائی دور کے ناول تھے مگر ہمارا موضوع عصمت چغتائی کی قبیل کے ناول نگاروں سے شروع ہوتا ہے۔

عصمت چغتائی نے انگریزی ادب کو بچپن سے ہی اپنے شوق مطالعہ کا روزینہ بنا لیا تھا، گھر کے ماحول میں بھی بڑے بھائی تھے اور اس طرح بچپن اور جوانی میں جنسِ مخالف کے ساتھ وقت گزار کر ان کی فطرت کو پڑھنے اور گھر سے باہر کے ماحول کو سمجھنے کا خوب موقع ملا۔ سب سے پہلے خود گھر کی چار دیواری سے باہر من مرضی کی اور انگریزی ادب پڑھا اور اس کے ترجمے کیے، پھر اپنے طبقے کی دبی ہوئی آواز کو اپنے ناولوں اور افسانوں میں ایسی دیدہ دلیری سے بیان کیا کہ اس معاشرے کی ہر خاتون خود سر اور باشعور نظر آنے لگی۔ عصمت چغتائی نے عورت کو وہ آواز عطا کی کہ جس کے پیچھے ضمیر کی بہادری اور خود آگہی کا نشہ تھا۔ شمن نے اعجاز کو بچپن میں 'اجو' کی صورت میں دیکھا تھا اور اب چچا کی دولت پا کر اجو سے اعجاز اور لاڈلا اعجاز بننے والے اس شخص کو صرف شمن کا خاندان لاڈلا اعجاز مان سکتا تھا مگر شمن نے اس بات کو نہ صرف ماننے سے انکار کر دیا بلکہ فطرت کے بھی خلاف قرار دیا۔ شمن کی اس خوبی کو عصمت چغتائی "ٹیڑھی لکیر" میں یوں بیان کرتی ہیں:

> "شمن کا جی چاہتا کہ کوئی اعجاز کو اس کی پرانی تصویر دکھا کر اُسے وہ غلاظتیں بھی یاد دلائے جو وہ پیچھے چھوڑ آیا تھا نہ جانے لوگ اپنے ماضی کو کس طرح اس قدر آسانی سے جھٹک کر آگے بڑھ جاتے ہیں، اُسے ان لوگوں سے سخت نفرت تھی جو پہلے والے غریب بدوضع اور کم عقل اجو کو بھول کر اس نئے انسان کی آؤ بھگت کرنے لگے تھے، وہ اسے کیسی کیسی حقارت بھری ٹھوکریں مار چکے تھے مگر آج اس پر فدا تھے، وہی منجھلے بھائی جن کے سامنے وہ ناک پکڑ کر اٹھک بیٹھک کر چکا تھا اُسے موٹر میں لیے گھومتے"٦

پدرسری معاشرے میں اپنا آپ منوانا بھی عورت ذات کے لیے کسی چیلنج سے کم نہ تھا۔ اپنی ذات کو منوانے کے لیے عورت نے سب سے پہلے اپنے آپ کو مرد کے شانہ بشانہ کھڑا کیا، جب عورت مرد کے برابر کھڑا ہونے میں کامیاب ہو گئی تو پھر اس نے اپنی زندگی کو مرد کی عینک سے دیکھا اور غور کرنے پر معلوم ہوا کہ زندگی کے بہت سے شعبے ایسے ہیں جہاں بہت سی محنت درکار ہے تاکہ عورت ذات کا بھی علیحدہ سے ایک نام ہو اور اسے بھی زندگی کے شعبوں میں اس کے نام کے ساتھ مرد سے الگ شناخت

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

ملے۔ شمن کا کردار بھی ایسی ہی خواتین کی عکاسی کرتا ہے جو اعلیٰ اور جدید تعلیمی اداروں میں تعلیم حاصل کر کے اپنا ایک الگ مقام بناتی ہیں اور معاشرے کی فرسودہ روایات کو غلط قرار دینے کی ہمت پیدا کرتی ہیں۔ عصمت چغتائی کے نسائی کردار معاشرے کی سکہ بند روایات سے ہر موڑ پر انحراف کرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ عصمت کے کرداروں کے حوالے سے ڈاکٹر وزیر آغا لکھتے ہیں:

> "عصمت چغتائی کے بیشتر کرداروں کے پس منظر میں ایک ایسی عورت موجود ہے، جو گھر کی مشین میں محض ایک بے نام سا پرزہ بن کر نہیں رہ گئی بلکہ جس نے اپنے الگ وجود کا اعلان کرتے ہوئے۔ ماحول کی سکہ بند قدروں اور رواجوں کو اگر منہدم نہیں کیا تو کم از کم لرزہ بر اندام ضرور کر دیا ہے"۷

قرۃ العین حیدر نے اپنے ناول "آگ کا دریا" میں بنیادی طور پر تاریخی واقعات پیش کیے ہیں مگر بعض مقامات پر عورت کی نفسیاتی فطرت کو پیش کیا ہے۔ عورت اور مرد کے تعلق کو ایسے مکالمات کی صورت میں بیان کیا ہے کہ جہاں سے دونوں کی فطرت کا فرق واضح ہو جاتا ہے۔ عورت جانتی ہے کہ مرد مجھے جو سمجھ رہا ہے وہ میں نہیں ہوں اور جو میں اسے سمجھانا چاہتی ہوں وہ سمجھ نہیں سکتا۔ مرد عورت کے معاملات میں بعض اوقات جان بوجھ انجان بن جاتا ہے جس سے عورت کو اذیت بھی پہنچتی ہے۔ قرۃ العین حیدر نے "آگ کا دریا" میں ایک مقام پر گوتم نیلمبر اور نرملا کا مکالمہ کرواتے ہوئے لکھا ہے کہ اصل بات یہ ہے کہ عورت کی حقیقت سے مرد لاعلم ہوتا ہے اور پھر اسی لاعلمی کی بنا پر اس کے خوابوں کو چور چور کرتا ہے اور عورت ذات کو اپنے قریب ترین مرد سے بھی اصل ڈر لاعلمی کا ہوتا ہے جس کی صورت میں اسے کسی نہ کسی اذیت کا سامنا کرنا پڑ جاتا ہے۔ قرۃ العین حیدر لکھتی ہیں:

> "میں نے ایک مرتبہ نرملا سے پوچھا تھا: رانی بی بی؛ تمھیں ڈر کاہے کا ہے، نرملا نے جواب دیا تھا کہ میں اپنے خوابوں کو اس سے بچانا چاہتی ہوں۔ وہ میرے خواب جانتا ہے۔ کتنی ہنسی کی بات ہے کہ نرملا کے خواب اب اس کے پاس ہمیشہ کے لیے محفوظ ہیں۔ گوتم بالآخر لاعلم رہا۔ ہم لاعلمی میں پیدا ہو کر لاعلمی میں زندہ رہتے ہیں اور اسی میں مر جاتے ہیں۔ یہی اصل سد سانت ہے"۸

عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر کے نسائی شعور کی بات کرتے ہوئے فاطمہ حسن کہتی ہیں کہ ان خواتین ناول نگاروں نے خواتین پر اصل شعور کے در وا کیے ہیں اور سوچ کے انداز کو جہاں وسعت بخشی ہے وہیں جرات کا پروانہ بھی عطا کیا ہے۔ گھر کی قید

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

میں بند اور مغلوب خواتین کو نہ صرف خود آگہی بخشی ہے بلکہ معاشرے کا سرگرم رکن بننے کے لیے تعلیم کے میدان میں قدم رکھنے بھی سکھائے ہیں۔ فاطمہ حسن "ٹیڑھی لکیر" اور "آگ کا دریا" کے حوالے سے اپنی کتاب "فیمنزم اور ہم" میں لکھتی ہیں:

> "عصمت چغتائی اور قرۃ العین حیدر کے ناولوں اور افسانوں نے قارئین اور ناقدین پر مطالعے کے نئے باب کھولے۔ عصمت چغتائی کا ناول "ٹیڑھی لکیر" اور فسانہ "لحاف" نسائی اظہار کی بہت واضح مثال ہے۔ ٹیڑھی لکیر میں عصمت چغتائی نے بہت جرات سے اس نسائی شعور کا کا اظہار کر دیا ہے جو اس وقت تک نظر انداز ہوتا رہا ہے۔ اسی طرح قرۃ العین حیدر کا ناول "آگ کا دریا" ایک ایسا ناول ہے جو پوسٹ ماڈرن فیمنسٹ نقادوں کے مطابق جن میں ژولیا کرسٹیوا سر فہرست ہیں۔ عورت کے تصور وقت کی مثال پیش کرتا ہے" ۹

جمیلہ ہاشمی نے ایسے خواتین کرداروں کو اپنے ناولوں میں جگہ دی ہے جو مشرقی تہذیب کے عکاس ہونے کے ساتھ ساتھ محبت سے بھرپور، عقل کا مثالی نمونہ اور بہادری کی زندہ مثال نظر آتے ہیں۔ محبت عورت کی فطرت میں خدا نے رکھ دی ہے مگر مرد بعض اوقات ایسا نابلد ثابت ہوتا ہے کہ اس خداداد تحفے کو تلاش کرنے میں ناکام رہتا ہے۔ ہمارے ہاں ایک غلط روایت قائم ہے کہ عورت بزدل ہوتی ہے یہ بات جمیلہ ہاشمی غلط ثابت کرتی ہیں، عورت جہاں نرم دل ہے وہیں پتھر دل بھی بن سکتی ہے جس کو وہ اپنا مجازی خدا مانتی ہے اس کے خوف کو دل سے نکال باہر بھی کرتی ہے:

> "میں حیران تھا یہ کون سی قوت تھی۔ جس نے اس عورت کے دل سے خوف جیسی چیزیں نکال دی تھیں۔ میں ایک اجنبی رات کے اندھیرے میں برستی بارش میں بھیگتا ہوا اس کے گھر آیا اور وہ یوں بیٹھی تھی گویا اسے میرے وجود سے اور اس شر سے جو مرد کی فطرت میں ہے بالکل کوئی علاقہ نہیں" ۱۰

یہی وہ بنیادی مسئلہ ہے جس کا تانیثیتی تحریک کے تحت اکثر تذکرہ کیا جاتا ہے کہ مرد سمجھتا ہے کہ اس کا رعب ہونا چاہیے، اس کی شخصیت کو عورت پر ایک برتری حاصل ہونی چاہیے اور اس کا حق عورت پر برابری کا نہیں بلکہ ایک آقا کا سا ہونا چاہیے۔ یہی وہ مسائل ہیں جو مرد اور عورت پر مشتمل اس معاشرے کو پرسکون نہیں بننے دیتے بلکہ ایک جنگی میدان کی سی ہلچل عطا کرتے ہیں۔ مذکورہ بالا سطور میں اسی بات کا ذکر کیا جا چکا ہے عورت محبت کا پیکر ہے اسے اسی مرکز میں محصور رکھا جائے مگر مرد اپنی

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

جبلت سے مجبور جب اس پر برتری جتاتا ہے یا ستم ڈھاتا ہے تو پھر یہ صنف نازک جری سپاہی کا سا روپ دھار کر مرد کا خوف دل سے مٹا ڈالتی ہے:

"مرد کی فطرت ہے نا عورت کے خلاف فوراً کہانیاں ترتیب دیتا ہے۔ مرد کا دل بہت چھوٹا ہے۔ وہ اپنے مقابلے میں کسی کو لانا پسند نہیں کرتا۔ اپنی راہوں پر اکیلا چلنا اسے بھلا لگتا ہے۔ آج تک اپنے آپ کو کنول کماری کے واحد اور عزیز ترین دوستوں میں سے سمجھتا رہا ہوں۔ مجھے معلوم ہے وہ اپنے محکمے کے لوگوں اور ملنے والوں سے بہت اچھی طرح پیش آتی ہے"۱۱

مرد کی اسی جبلت کی وجہ سے عورت ذات نے پدر سری معاشرے کے خلاف آواز بلند کی اور خود پر باغی کا لیبل لگوایا مگر اس میں بغاوت کی کوئی بات نہیں یہ وقت کی ضرورت تھی کیونکہ جب کسی کو حق سے محروم کیا جاتا ہے تو وہ آخر ایک دن خاموشی کا تانا ضرور توڑتا ہے۔ اردو ادب کی خواتین ناول نگار نے عورت کو سکول کی پڑھائی سے لے کر گھر چلانے تک کے معاملے میں ایسا شعور بخشا ہے کہ اب وہ خود سر اور خود آگاہ بن چکی ہے۔ عورت نے کرب کا ایک طویل دور گزارا ہے اور مرد نے بھی حکمران بن کر عورت پر حکمرانی کی ہے۔ اس موضوع پر تلاش بہاراں کا ایک اقتباس ملاحظہ کیجیے:

"اگر عورت مرد سے گھبرانے لگے اس سے چھپنے لگے تو مرد اپنے آپ کو بادشاہ بنالیتا ہے۔ اس کی بے بسی اور کمزوری کو محسوس کر کے اور بھی مطمئن ہوتا ہے۔ اور اگر عورت کمزور نہ ہو تو دیوتا بھی گھبرا جاتے ہیں۔ حیرت انگیز طور پر مطمئن کنول کو دیکھ یورپ کے ساحلوں پر گھومنے والے یہ تمام بڑے بڑے آدمی ذرا غیر مطمئن سے ہو گئے"۱۲

عورت ذات تب ستم کا شکار ہوتی ہے جب اپنا حق لینے سے بھی ڈر جاتی ہے اور مرد حضرات حق بات سننا بھی اپنی شان کے خلاف سمجھنے لگتے ہیں۔ عورت ذات کو بھی مرد حضرات سے ڈرنے کی بجائے خود سر اور خود آگاہ ہو کر آگے بڑھنے کا سوچنا چاہیے۔ عورت کو مرد سے زبانی مقابلہ کرنے کی بجائے عمل کے ذریعے برابری کے درجے کے حصول کا ثبوت دینا چاہیے، جب عورت عمل کے ذریعے تعلیم سے لے کر کاروبار تک مرد کی برابری میں آجائے گی تو مرد حضرات عورت ذات کو نہ صرف اس معاشرے کا اہم رکن تسلیم کریں گے بلکہ اس کی اہمیت کا اقرار کرنے پر مجبور بھی ہوں گے۔

"دنیا میں متضاد عناصر ایک دوسرے کے قرب سے ہی بھڑک اٹھتے ہیں۔ پانی کو قریب پا کر آگ اور بھڑکتی ہے، سیاہی کو دیکھ کر سفیدی اور تن دہی سے چمکتی ہے۔۔۔ اور وہ کیا کہہ رہا

تھا، عورت کا ایک ہی مصرف ہے، کیا ہے وہ؟ اوہ وہ یہی مصرف، جو تم نہیں سمجھتیں، وہ ہمیشہ یہی کہتا کہ عورت مرد کی دل چسپی کے لیے پیدا کی گئی ہے"۱۳

مرد عورت کی برابری کو تسلیم کرنا گوارا ہی نہیں کرتا وہ سمجھتا ہے کہ عورت صرف ایک جسمانی لذت کی چیز ہے اور اسے اس مقصد تک ہی خود کو محدود رکھنا چاہیے۔ مرد کی فطرت میں لالچ بھی اس قدر ہے کہ عورت کو جسمانی لذت کی چیز پاکر ایک پر اکتفا بھی نہیں کرتا جب کبھی اسے موقع ملتا ہے یا ایک سے دل بھر جاتا ہے تو دوسرے چہروں کی طرف جاتا ہے۔ رضیہ فصیح احمد اپنے ناول "آبلہ پا" میں اس بات کی طرف یوں اشارہ کرتی ہیں:

"دفعتاً ڈھلائی پر سے دو سائے آہستہ آہستہ اوپر چڑھتے ہوئے دکھائی دیئے' وہ سن ہو گئی۔ وہ دیکھتے دیکھتے ایک کوارٹر کی طرف مڑ گیا۔ دوسرا اس طرف آنے لگا۔ کوارٹر کی طرف جانے والے سائے کو وہ پہچان گئی۔ وہ سیاہ لبادے والی خوبصورت عورت تھی۔ دوسرا سایہ اسد تھا۔ برآمدے میں صبا کو دیکھ کر وہ ٹھٹک گیا۔ اندھیرے میں بھی صبا نے اس کے بدلتے ہوئے رنگ کو محسوس کیا۔ پھر سنبھل کر بولا۔ یہاں کیوں کھڑی ہو؟"۱۴

مرد حضرات کی جہاں باقی عادات عورت کے خلاف اپنی جگہ پر صادق ہیں وہیں جسمانی حرص کی عادت بھی عورت کی فطرت کے خلاف ایک اور زہر ہے۔ عورت ذات جہاں مرد کی بہت سی ناانصافیوں پر خاموش رہتی ہے وہیں اس شدت کی چوٹ کو برداشت کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔ عورت کی عینک سے اس مسئلے کو دیکھا جائے تو اس پدرسری معاشرے میں 'تانیثیت' کو سب سے زیادہ ہوا دینے والا یہی مسئلہ ہے جس نے عورت کو اس قدر مجبور کر دیا کہ وہ آواز اٹھائے بغیر نہ رہ سکی۔ مگر مرد حضرات اس طرح کے مسائل پر ہار نہیں مانتے بلکہ طرح طرح کے من گھڑت قصے عورت کے سامنے پیش کر کے خود کو پاک صاف بنانے کی بھرپور کوشش کرتے ہیں۔ یہاں بھی مسئلہ مرد حضرات کی انا، برتری، حرص اور خود کو دماغی طور پر اعلی ثابت کرنے کی ناکام کوشش تھا جس نے عورت ذات کے دماغ میں خاموش جنگ کو مرد کی شکست کی صورت میں نافذ کر دیا۔ مرد کے خیال میں عورت ذات صرف دکھ سہنے کے لیے ہی بنی ہے کیونکہ اس کی اپنی کوئی سوچ نہیں اور مرد ذات سے الگ اس کا کوئی مقام نہیں۔ قرۃ العین حیدر "آگ کا دریا" میں گوتم نیلمبر اور چمپا کی گفتگو کا یوں نقشہ کھینچتی ہے:

"پھر وہ سوچتا تھا: عورت جو دیبی ہے۔ لکشمی۔ گوری۔ اوما۔ جو ماں ہے اور بہن اور بی بی اور بیٹی ۔ اسے طوائف نہیں ہونا چاہیے۔ یہ بڑی زیادتی ہے۔ پھر اسے خیال آیا: کہا جاتا ہے کہ عورت

تو محض دُکھ سہنے کے لیے ہی بنائی گئی ہے۔ اس میں عورت کی عظمت ہے۔ جس کی ساری عمر مرد کی ٹہل کرنے میں بیت جاتی ہے اور پھر بھی مرد اس سے خوش نہیں ہوتے۔ پتی ورتا عورتیں بال ورھوائیں۔ یتیم لڑکیاں جن کو ورثہ نہیں ملتا۔ عورت جو گائے کی طرح بے زبان ہے، جو ستی ہو کر جل مرتی ہے کہ اسی میں اس کی شان ہے"۱۵

عورت کی قدر اس کی جائیداد میں ہے اس کے رشتے میں یا ازلی مقام میں نہیں کیونکہ مرد عورت کے حسن کو تب تک احترام بخشتا ہے جب تک وہ جوان ہے مگر دولت کی وجہ سے عورت کو بڑھاپے میں بھی عزت و احترام کی نگاہ سے دیکھتا ہے۔ عورت کے ہر مقام و مرتبے اور قدر و منزلت کو دولت سے جوڑ دیا گیا ہے۔ عورت کے ازلی مقام و مرتبے سے محرومی کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس عورت کے سامنے تعلیم یافتہ اور باشعور سماج نہیں بلکہ ہوس کا پجاری سماج ہے جو کبھی عورت کے بدن کو اپنی ہوس کا نشانہ بناتا ہے اور کبھی دولت میں اپنا اطمینان ڈھونڈتا ہے۔ مرد حضرات نے اس معاشرے کو جنگل اور خود کو صیاد اور عورت اور دولت کو اپنا صید سمجھ رکھا ہے تو پھر عورت کیسے توقع کر سکتی ہے کہ اس کی عزت محفوظ ہو اور مقام و مرتبہ قائم و دائم رہے۔ موجودہ سماج کی عکاسی کرتے ہوئے قرۃ العین حیدر مذکورہ بالا ناول کے ایک اور مقام پر لکھتی ہیں:

"شہنشاہی اور جاگیر دارانہ سماج میں عورت کو آزادی محض اسی وقت میسر ہوتی ہے جب وہ بازار میں آکر بیٹھ جائے۔ تب اس کو عزت بھی ملتی ہے اور دولت بھی پھر اس کے لیے شعر و شاعری کرنا بھی جائز ہے لکھنا پڑھنا بھی۔ ورنہ علحدہ سے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ چمپا بائی اس نظام کی پروردہ ہے"۱۶

پدر سری معاشرے میں جب جاگیر دار اور شہنشاہی طبقے غالب ہوتے ہیں تو عورت کے جو روپ سامنے آتے ہیں ان میں سے ایک طوائف کا روپ بھی ہے۔ اس روپ کو یہ طبقہ عزت بھی دیتا ہے اور اس کا من چاہا مقام بھی مگر اس صورت میں عورت لفظ کی ہی توہین ہے۔ عورت کا اصل مقام مرد کے دل میں اور سماج میں آزاد رہنے میں ہے۔ یہ آزادی جسم کے غلط استعمال کی آزادی نہیں بلکہ ذہنی سوچ کی آزادی ہے یعنی کہ وہ بھی سماج کے باقی آزاد ارکان کی طرح آزاد رہے اور آزاد سوچے مطلب جس طرح چاہے تعلیم حاصل کرے اور سماج میں اپنی آواز کی وقعت پیدا کرے۔ عورت کی مکمل آزادی کے حوالے سے مشتاق احمد وانی اپنی کتاب "اردو ادب میں تانیثیت" میں لکھتے ہیں:

"عورتوں کی مکمل آزادی کے لیے مغربی خواتین نے ایک کنونشن convention بلائی جہاں

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

عورتوں کے لیے یہ مانگ رکھی گئی کہ انہیں مکمل آزادی حاصل ہونی چاہیے مکمل آزادی سے یہ مراد تھا کہ انہیں مردوں کی طرح تعلیم میں برابر کا درجہ حاصل ہو۔ مذہبی واعظ کرنے کا حق حاصل ہو۔ اس کنونشن میں یہ بات بھی اہم تھی کہ عورتوں کو مردوں کے مساوی حقوق دیے جائیں اسی کنونشن میں اس بات کا بھی انکشاف کیا گیا کہ عہدِ قدیم سے ہی ہمارے معاشرے میں عورتوں کے لیے مساوی مقام جیسی آواز اٹھتی رہی ہیں۔ انہوں نے مردوزن کے رشتوں کے امتیازات کے خلاف آواز اٹھائی اور اعلانیہ طور پر یہ کہا کہ عورت کی خود مختاری اور مکمل آزادی کے مطالبے سے ہی فرسودہ اخلاقیات اور مردانہ جابرانہ اقتدار کے دقیانوسی نظام کا خاتمہ ہو سکتا ہے"۱۷

انیسویں اور بیسویں صدی نے خواتین کو اتنا شعور بخشا ہے کہ وہ اخلاقیات اور فرسودہ روایات میں فرق کرنے کے قابل ہو گئی ہیں۔ یہ بالکل دن اور رات کے فرق کی طرح عیاں ہے کہ اخلاقیات کے ضمن میں انہیں کیا کیا کرنا ہے اور ان خدمات کے بدلے میں انہیں کون سے حقوق حاصل ہیں۔ خواتین کو اسلام نے برابری کا حق دیا ہے تو پدرسری معاشرہ ان سے یہ حقوق سماجی روایات کی اوٹ میں کیسے چھین سکتا ہے! عورت عمر کے ہر زینے پر محبت کا پیکر اور فرائض سے عہدہ برآ ہونے کا مثالی نمونہ نظر آتی ہے مگر ہر موڑ پر اس کے حقوق کے معاملے میں مرد حضرات آنکھ چراتے ہوئے نظر آتے ہیں۔ انہی وجوہات کی بنا پر عورت نے پدرسری معاشرے کے خلاف آواز اٹھائی اور مکمل آزادی کی مانگ کی۔ پدرسری معاشرے کی اس غیر منصفانہ روش کے خلاف پہلے پہل عورت نے بیزاری کا اظہار اور پھر تازہ اور اکتائے ہوئے اذہان نے اس بیزاری کو تحریک میں بدل دیا۔ سیما صغیر لکھتی ہیں:

"عورت کو لاشعوری طور پر احساس کمتری میں مبتلا کیا۔ اس عمل نے تفریق کی دیوار کو اونچا کیا۔ ستم یہ ہوا کہ فریق ثانی نے سخت قدم اٹھانے کی بجائے صبر و تحمل اور اطاعت و فرمابردا ری کا ثبوت پیش کیا۔ اس امید کے سہارے کہ آنے والے کل میں حالات بدل جائیں گے۔ حالات بدلے مگر مزاج، نیت اور خصلت نہیں۔ نتیجتاً ساتھ ساتھ چلنے والی شریک سفر ذہنی طور پر دور ہوتی چلی گئی۔ اضطراری کیفیت نے رفتہ رفتہ اسے احساسِ کمتری میں مبتلا کیا جس کے سبب بچیوں کی تربیت میں جنسی تفریق کے مراحل بالواسطہ طور پر مرد اساس ذہنیت کا اظہاریہ بن گئے۔ صدیوں بعد جب اس جانب توجہ دلائی گئی تو ردعمل نے باغیانہ شکل اختیار کرلی جسے ادبی پیراہن میں تانیثیت کے نام سے جانا گیا"۱۸

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

کوئی بھی تحریک ایک دن میں وجود نہیں پاتی اور زیادہ تر تحاریک کے پیچھے وجوہات بھی ایک سے زیادہ ہوتی ہیں۔ تانیثیت کی تحریک کو بھی درج بالا وجوہات کے تناظر میں دیکھا جائے تو اس کے پیچھے بھی صدیوں کا سفر اور ایک سے زیادہ وجوہات ہیں جنھوں نے خواتین کو مجبور کیا کہ وہ دلی جذبات کو زبان پر لائیں اور الفاظ کی صورت عطا کریں۔ تانیثیت کی تحریک کے پس منظر میں جو وجوہات تھیں ان میں سے زیادہ تر کا درج بالا سطور میں ذکر کیا جا چکا ہے تاہم کچھ ایسی وجوہات بھی ہیں جن کا تعلق مادی حالات سے منسلک ہے۔ شادی کے بعد کی پر سکون زندگی کا تعلق مادی حالات سے ہے اگر مالی طور پر اچھے حالات ہیں تو اس جوڑے میں یگانگت بڑھے گی اور بچوں کی پرورش بھی اچھی ہو گی اگر مرد کی مالی حالت ٹھیک نہیں یا مرد کسی اور وجہ سے عورت کو مادی آسائشات فراہم کرنے میں ناکام ہے تو بھی نفرتیں جگہ پائیں گی اور گھریلو حالات خراب ہوں گے۔ تانیثیتی تحریک کی سرگرم خواتین کی روداد سنی جائے تو اس میں اچھی خاصی تعداد میں شادی شدہ خواتین نظر آتی ہیں جو گھریلو حالات میں پریشان نظر آتی ہیں مطلب گھر کے ذمہ دار مرد (خاوند) ان کی مالی ضروریات کا خیال نہیں رکھتے اور اس وجہ سے وہ بغاوت پر اتر آتی ہیں۔ اس بات کا باریک بینی سے جائزہ لیا جائے تو یہ بات حقیقت کے قریب ترین نظر آتی ہے کیونکہ کسی بھی عورت کو بیوی بنا کر گھر میں لے آنا یا اس کو اپنے مجاز سمجھنا ہی کافی نہیں ہوتا بلکہ اس کی مالی ضروریات کا خیال رکھنا بھی انتہائی ضروری ہے، ہر مذہب کی طرح اسلام نے بھی اس بات پر بہت زیادہ توجہ دی ہے اور مرد حضرات کو اس بات کا پابند بھی قرار دیا ہے۔ جس خاتون کو مالی سہولت میسر نہیں ہوتی وہ مرد سے بغاوت کے ساتھ ساتھ اولاد سے بھی نفرت کرنا شروع کر دیتی ہے۔ عصمت چغتائی نے اپنے ناول "ٹیڑھی لکیر" میں اس بات کی یوں عکاسی کی ہے:

> "کیونکہ وہ کوئی کمانے والا ساتھ نہیں لاتا۔ اس کی پرورش کا بار اس کی زندگی کے پیروں میں بیڑی بن کر الجھ جاتا ہے۔ ہشت یہ سب واہیات ہے۔ مائیں ایسے بچوں کو صرف ایک وجہ سے فنا کر دینا چاہتی ہیں کہ وہ اس کے لانے والے سے نفرت کرتی ہیں اس نفرت کا انتقام وہ اس کی گردن مروڑ کر لیتی ہیں۔ توبہ توبہ میں تو ایسی عورت کو حیوان سمجھتی ہوں۔ تم بے وقوف ہو حیوان اتنے بے رحم نہیں ہوتے اور نہ بے وقوف ان کے یہاں نہ بھاوڑیں پڑیں اور نہ بیاہ رچے سنا ہے تم نے کسی گدھے کو سہرا باندھے" ۱۹

معاشی طور پر پریشانی کی صورت میں حالات میں کشیدگی کا پیدا ہونا یقینی امر ہے، اگر تلخ حقائق کا سامنا کیا جائے تو جو صورتِ حال سامنے آتی ہے وہ یہ ہے کہ بعض اوقات یہ معاشی بدحالی خود ساختہ پیدا کردہ ہوتی ہے مثلاً اگر مرد گھر سے باہر کسی اور عورت سے تعلق پیدا کر لے یا پھر کسی ایسی سرگرمی میں ملوث ہو جائے جہاں سے وہ اپنے گھر کے مالی حقوق پورے نہ کر سکے تو بھی ایسی

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

صوتِ حال سامنے آسکتی ہے۔ مذکورہ بالا حالات مرد کی طرف سے لاپرواہی یا بے توجہی کی صورت میں سامنے آتے ہیں مگر جب ایسی صورتِ حال سے نکلنے کے لیے ایک عورت گھر سے باہر قدم رکھنا چاہتی ہے تو یہی مرد اس بات کو اپنی غیرت کا سوال بنالیتا ہے اور اسے چاردیواری کے اندر کی ایک بے جان اور بے زبان چیز ثابت کرنے کے لیے ہزاروں حوالے لے آتا ہے۔ یہی وہ ابتدائی نکتہ ہے جہاں سے ایک شریف النفس اور فرماں بردار عورت بغاوت پر اتر آتی ہے اور عزت، ذلت اور تحفظ کی پرواہ کیے بغیر بنیادی حقوق کے لیے آواز اٹھاتی ہے اور اس پدرسری معاشرے کے خلاف علم بلند کرتی ہے۔ جب یہ عورت معاشرے میں نگاہ دوڑاتی ہے تو اسے ایسی بے شمار مظلوم خواتین نظر آتی ہیں جو اس کی طرح ظلم برداشت کر رہی ہوتی ہیں مگر آواز اٹھانے کی ہمت نہیں رکھتیں ،ایک وقت آتا جب انہیں ورجینیا وولف، سائمن ڈی بوار یا پھر کوئی کشور ناہید میسر آجاتی ہے جو رہبر قافلہ بن کر بیچ بھنور ٹکولے کھانے والے اس سفینے کو پار لگا دیتی ہیں۔ عورت کے گھر سے باہر کام کرنے کے حوالے سے کشور ناہید اپنی کتاب "عورت، خواب اور خاک کے درمیان" میں لکھتی ہیں:

> "اگر ابتدائی آئے آفرینش سے مرد عورت اکھٹے کام کرتے آئے تھے تو عورت کو گھر کا پابند اور مرد کو زمام دنیا پکڑا ان کا فریضہ سونپنے کا متصور یہ کیسے بنا اور پتا چلا گیا۔ نصف صدی سے اوپر ہونے کے باوجود عورت کے فعال ہونے سے سماجی، اقتصادی، نفسیاتی اور معاشرتی سطح پر تبدیلیوں کے جائزے کے بجائے ابھی تک یہی بحثیں اخباروں، رسالوں اور ہفت روزوں میں ہیں کہ عورت باہر کا کام کرے یا نہ کرے" ۲۰

عورت کو دنیا کے ہر مذہب نے عزت کے مقام سے نوازا ہے مگر معاشرے کے ظالم انسانوں نے ہمیشہ سے اس عورت کو پاؤں کی جوتی، لذت کشید کرنے والا جام اور خدمت بہم پہچانے والی لونڈی سمجھا ہے۔ جب عورت کو تحرک کی بجائے ساقط ہونے پر مجبور کیا گیا تو اس نے مجبوراً یک طرفہ معاشرتی نظام سے بغاوت کی اور سطحی انصاف کے خلاف علم بلند کیا جسے تانیثیت کہا جاتا ہے۔

ماحصل:

خواتین ناول نگار کے ناول ہی وہ اصل تصاویر ہیں جہاں عورت کو اس کے حقیقی روپ میں دکھایا گیا ہے۔ چار دیواری میں بند، تعلیم سے محروم، جذبات سے عاری اور خدمت پر معمور ایک ربوٹ کی صورت میں ایک مجسمہ جو دیوار پر میک اپ کر کے اس لیے لٹکایا گیا ہے کہ کمرہ خوبصورت لگے۔ عصمت چغتائی کی شمن وہ کردار ہے جو پدرسری سماج سے بغاوت کرتے ہوئے تحریک نسواں کے پہلے رکن کے طور پر اپنا نام رجسٹرڈ کرواتی ہے۔ قرۃ العین حیدر نے چمپا کے ذریعے مرد کی نفسیات کو بیان کرتے ہوئے

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

عورت کے مقام کو اجاگر کیا ہے اور مرد کے ذہن پر عورت کے لیے بننے والے ہیولے کو بیان کیا ہے۔ جمیلہ ہاشمی نے کنول کماری کو من مرضی کرنے اور مرد کا خوف دل سے نکال کر جینے والا کردار بنا کر پیش کیا ہے جو نا صرف اپنی زندگی سے خوف نکال باہر پھینکتی ہے بلکہ دوسری ایسی بہت سی کمزور دل خواتین کی بھی اصلاح کرتی نظر آتی ہے۔ کنول کماری تحریک نسواں کا وہ کردار بن گئی جو بعد میں کشور ناہید، فہمیدہ ریاض اور دیگر ایسے کئی کرداروں کی صورت میں حقیقی زندگی میں بھی نظر آتے ہیں۔ رضیہ فصیح احمد نسلِ نو کی پسندیدہ ناول نویس ہیں انھوں نے جہاں دلچسپ کہانیوں میں اہم حقائق بیان کیے وہیں باشعور عورت کے دونوں رخ بھی پیش کیے ہیں۔ آبلہ پا کی صبا جہاں اسد سے بے پناہ محبت کرتی ہے وہیں اسد کے بیرونی تعلقات پر بھی گہری نظر رکھتی ہے۔

عورت کوئی کھلونا نہیں جس کے ساتھ بستر پر کھیل لیا اور پھر اسے چار دیواری کے اندر بند کر کے رکھ دیا بلکہ یہ ایک گوشت پوست کا جیتا جاگتا انسان ہے جس کے اپنے کچھ خواب ہیں، کچھ خیال ہیں اور اپنی ایک سوچ ہے۔ پدرسری معاشرہ اگر عورت کو انسان مانتا تو شاید تحریک نسواں میں اس قدر شدت اور مردانہ نظام کے خلاف ایسی نفرت نہ ہوتی۔ مگر تاریخ کے اوراق ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں کہ اس عورت کو طرح طرح کے مصائب کا سامنا رہا ہے کبھی تعلیم سے محروم رہنا پڑا، کبھی کھیل کود کی عمر میں کسی ان دیکھے دولہے کے نکاح میں جانا پڑا، کبھی ان چاہی اور ناپسندیدہ صورتوں کے ساتھ عمر گزارنی پڑی۔ عورت نے جب بھی مرد کی برابری کا خیال اپنے دل میں پیدا کیا تو اسے اذیتوں کا سامنا کرنا پڑا۔ پدرسری سماج نے مرد کے لیے ایسا نظام ترتیب دیا جس میں مرد گھر سے باہر دوسری عورتوں کو اپنی ہوس کا نشانہ بنا سکتا ہے اور اپنی دولت بھی ان پر نچھاور کر سکتا ہے مگر جب اس کی چادیواری کے اندر بند کھلونا نما عورت بنیادی ضرورتوں یا مالی آسائش کا سوال کرتی تو اسے گھر سے نکال باہر کرنے کی دھمکی دیتا ہے۔ عورت کو تعلیم سے محروم رکھا گیا اگر اس نے مرد کی طرح اعلیٰ تعلیم کی خواہش بھی دل میں پیدا کی تو اخلاقیات کے لمبے چوڑے درس اس پر لاد دیے گئے اور ماں باپ کی عزت کا خیال رکھنے کا حکم سنایا گیا۔ عورت ذات کو جسمانی لذت سے لے کر مادی ضروریات تک کے حصار میں بند رکھا گیا۔ اسے اپنے جذبات کی پرورش کرنے کی اجازت نہ دی گئی۔ عورت ذات نے مالی طور پر خود کفیل ہونے کا سوچا تو اسے گھر کی چار دیواری کے اندر بچوں کی ذمہ داری سونپ دی گئی اور اگر اس مجبور عورت نے اپنے گھرانے سے بغاوت کر کے باہر قدم رکھا تو گھر سے باہر کے ظالم مردوں نے اسے طوائف اور اشتہاروں کی تصاویر سے آگے نہیں بڑھنے دیا۔ یہی وجوہات تھیں جنھوں نے عورت کو مردانہ سماج کے خلاف آواز بلند کرنے اور مظلوم خواتین کو ایک تحریک کی صورت میں اکھٹے ہونے پر اکسایا۔ تانیثیت خواتین کی تحریک ہے جو خواتین اپنے حقوق کے دفاع کے لیے بنائے ہوئے ہیں۔

حوالہ جات:

ISSN(Online): 2790-5861, ISSN (Print): 2790-5853

۱۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات اردو، فیروز سنز، ۲۰۱۰ء لاہور، ص ۳۴۰

۲۔ میریلین فرنچ، عورت کے خلاف جنگ ہر محاذ پر، (مترجم) شفقت تنویر مرزا/ مسعود اشعر، مشمولہ، عورت زبان خلق سے زبان حال تک، کشور ناہید، سنگ میل پبلیکشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۱۳

۳۔ سکریتا پال، عورت بطور ہیرو، (مترجم) مسعود اشعر، مشمولہ، عورت زبان خلق سے زبان حال تک، کشور ناہید، سنگ میل پبلیکشنز، لاہور، ۲۰۰۰ء، ص ۲۴۲

۴۔ سیما صغیر، ڈاکٹر، تانیثیت اور اردو ادب روایت، مسائل اور امکانات، براؤن بک پبلیکشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۸ء، ص ۱۱

۵۔ عصمت چغتائی، ٹیڑھی لکیر، دھلی پرنٹنگ پریس، رامپور، ۱۹۶۷ء ص ۲۱۲۔۲۱۳

۶۔ وزیر آغا، ڈاکٹر، ساختیات اور سائنس، مکتبہ فکر و خیال، لاہور، ۱۹۹۱ء، ص ۷۱

۷۔ قرۃ العین حیدر، آگ کا دریا، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۹ء ص ۵۴۰

۸۔ فاطمہ حسن، فیمنزم اور ہم، وعدہ کتاب گھر، کراچی، ۲۰۰۵، ص ۱۰۲

۹۔ عقیلہ جاوید، ڈاکٹر، اردو ناول میں تانیثیت، بہاؤالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان، ۲۰۰۵ء، ص ۱۰۷

۱۰۔ جمیلہ ہاشمی، تلاش بہاراں، راجدھانی پبلشرز، چندی گڑھ، س ن، ص ۲۱۔۲۲

۱۱۔ ایضاً ص ۲۴۳

۱۲۔ جمیلہ ہاشمی، تلاش بہاراں، راجدھانی پبلشرز، چندی گڑھ، س ن، ص ۲۴۵

۱۳۔ عصمت چغتائی، ٹیڑھی لکیر، دھلی پرنٹنگ پریس، رامپور، ۱۹۶۷ء ص ۲۳۰

۱۴۔ رضیہ فصیح احمد، آبلہ پا، مکتبہ علم و فن، مٹیہ محل، دہلی، ۱۹۶۵ء، ص ۱۴۳

۱۵۔ قرۃ العین حیدر، آگ کا دریا، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۱۹۸۹ء ص ۲۰۷

۱۶۔ ایضاً ص ۲۰۸

۱۷۔ مشتاق احمد وانی، اردو ادب میں تانیثیت، ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، دہلی، ۲۰۱۳ء، ص ۱۰۲

۱۸۔ سیما صغیر، ڈاکٹر، تانیثیت اور اردو ادب روایت، مسائل اور امکانات، براؤن بک پبلیکشنز، نئی دہلی، ۲۰۱۸ء، ص ۱۶۹

۱۹۔ عصمت چغتائی، ٹیڑھی لکیر، دھلی پرنٹنگ پریس، رامپور، ۱۹۶۷ء ص ۳۲۳

۲۰۔ کشور ناہید، عورت، خواب اور خاک کے درمیان، سنگ میل پبلیکشنز، لاہور، ۱۹۹۵ء ص ۸۴